نظمِ ثریا

رسا جاودانی

2

نظمِ ثریّا

رسا جاودانی

سنہ ۱۹۶۲ء

مطبوعہ: .. .. .. کوہ نور پریس دہلی
دسمبر ۱۹۶۲ء
تعداد ... . یک ہزار
قیمت: .. .. تین روپے

پیش لفظ

جناب رسا جاودانی اردو کے ایک پختہ مشق اور اعلےٰ پایہ کے صاحب سخن ہیں۔ وہ سرزمین کشمیر کے شاعروں کے اُس سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی ہیں جو صدیوں سے برابر قائم ہے۔ اس ملک میں ہر دَور میں بلند پایہ اَور نازک خیال شاعر پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے فارسی میں بھی لکھا، کشمیری میں بھی اَور اِدھر ایک عرصے سے اردو میں بھی لکھ رہے ہیں، اَور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر زبان میں یہاں کے شعرائے کرام ایک ایسے معیار تک پہنچے ہیں جو کسی ملک کے لئے بھی باعث افتخار سمجھا جا سکتا ہے۔

مجھے حیرت اس واقعے پر ہوتی ہے کہ اعلےٰ پایہ فن کاروں کا یہ سلسلہ کبھی دَور میں بھی ٹوٹنے نہیں پایا، حالانکہ بعض دَور ایسے بھی آئے تھے جو شعر و سخن کی فضا کے لئے ناسازگار تھے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی شعر و سخن اَور کمال و فن کے جوہر بالکل ختم نہ ہو سکے بلکہ جہاں اَور جب بھی موقع ملا یہ اپنی پوری آب و تاب

کے ساتھ چمکنے لگے۔

فارسی زبان و ادب نے کشمیری زبان و ادب کو بے حد متاثر کیا ہے، اور اب اردو نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ چنانچہ اردو اور فارسی کی طرح کشمیری شاعری میں بھی زندگی کی عالمگیر قدریں پوری طرح بے نقاب نظر آتی ہیں اور عہدِ حاضر میں کشمیر کے اکثر و بیشتر شاعر اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں یکساں جوش اور ولولے کے ساتھ اپنے خیالات اور احساسات ظاہر کر رہے ہیں۔ ایسے شاعروں میں عبد القدوس صاحب رساجاودانی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

میں ان کو صرف اردو کا ایک بلند پایہ شاعر اور استادِ سخن سمجھتا تھا اور مئی ۱۹۵۸ء میں پہلی بار ان کی زبان سے سری نگر کے ایک کل ہند مشاعرے میں ان کا کلام سنکر ان کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان کی ایک غزل کا یہ مصرعہ تو اکثر وردِ زبان رہتا تھا کہ ؎

کفر اسلام کا سہارا ہے

لیکن اب دو سال بعد ۱۹۶۱ء میں جب ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کے کشمیری کلام کا مجموعہ "نیرنگ غزل" بھی نظر سے گذرا تو میرے نزدیک ان کی قدر و منزلت اور عظمت اور بھی بڑھ گئی۔

اس سلسلہ میں یہ جان کر بھی بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اردو کے

ساتھ ساتھ کشمیری کے نہ صرف بلند مرتبہ شاعر بلکہ ایک صاحب رائے دانشور بھی ہیں۔ مختلف صحبتوں میں ان سے جو تبادلۂ خیال ہوا تو پتہ چلا کہ وہ اردو اور کشمیری دونوں زبانوں کی صرف و نحو، عروض اور جدید ضروریات اور رجحانات پر ماہرانہ اور استادانہ نظر رکھتے ہیں اور کشمیری ادیبوں اور شاعروں میں فارسی الفاظ کو مسخ کرکے لکھنے کا جو رجحان پیدا ہوگیا ہے، اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔

یہ رجحان دراصل ایک احساس کمتری کا نتیجہ ہے اور کشمیری کے بعض ارباب فن دوسری زبانوں کے الفاظ اور املا کو جوں کا توں اپنے قالب میں رکھنے سے ڈرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسی وقت ان کی ملک سمجھے جائیں گے جب کہ ان کو اسی طرح لکھا جائے جس طرح وہ کشمیری میں ملفوظ ہوتے یا بولے جاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انگلستان میں لاطینی اور فرانسیسی کے ساتھ، امریکہ میں انگریزی کے ساتھ، ایران میں عربی کے ساتھ اور ترکی میں عربی اور فارسی دونوں کے ساتھ قومی بیداری کے نتیجے کے طور پر اوّل اوّل ایسا ہی سلوک کیا گیا تھا، مگر بعد کو جب ان ملکوں کے فن کاروں اور دانشوروں میں خود اعتمادی پیدا ہوگئی تو یہ رجحان خود بخود ختم ہوگیا۔ کشمیر میں بھی ایسا ہی ہوگا، اور یہاں کے ارباب ادب اور دانشور جناب رسا جاودانی جیسے قدیم استاد فن کے

ساتھ رفتہ رفتہ ہم خیال ہو جائیں گے۔

رسا جاودانی ایک فطری شاعر ہیں۔ ان کا کلام تکلّف اور آورد سے پاک نظر آتا ہے۔ وہ غزلیں بھی لکھتے ہیں اور نظمیں بھی۔ ان کی نظمیں مناظر قدرت، مطالعۂ فطرت، اور انسانی جذبات کی بڑی پاکیزہ ترجمانی کرتی ہیں۔ شکل و ہیئت کے لحاظ سے ان کی یہ نظمیں اردو کی جدید ترقی پسند نظموں کی صف میں شامل ہیں، اور معانی و مطالب کے لحاظ سے وہ نظیر اکبر آبادی کے ہم دوش ہیں۔ ان کی عمر بھی نظیر کی طرح بچوں کو پڑھانے میں گذر گئی ہے اور اب وظیفۂ حسن خدمت حاصل کر کے خانہ نشین ہیں اور اپنا پورا وقت اردو اور کشمیری شاعری اور ادب کی خدمت کے لئے وقف کر رہے ہیں۔

رسا صاحب کی غزلیں مجھے ان کی نظموں سے زیادہ پسند ہیں۔ ان کی غزل زیادہ تر سادگی اور سلاست کی آئینہ دار ہے۔ خواجہ میر درد اور مصحفی کا رنگ ان کے اشعار میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ اسی رنگ میں لکھتے رہیں تو عہدِ حاضر کی اردو شاعری میں ایک مفید اضافے کا باعث بن سکیں گے۔ اور کشمیر کے موجودہ تابناک دور کے اردو شاعروں میں آج ان کو جو امتیاز حاصل ہے وہ صحیح معنوں میں جاودانی بن جائے گا۔

ان کا مجموعۂ کلام اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے۔ اس سے آپ خود اپنی پسند کے شعر یقیناً چُن لیں گے، مگر میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اپنی پسند کے چند شعر آپ کے پیشِ نظر کر دوں۔ ممکن ہے کہ یہ دوسروں کو پسند نہ آئیں۔ مگر جی چاہتا ہے کہ میری طرح آپ بھی ان کو ایک بار پڑھ لیں اور لطف اندوز ہوں —

سرو سے تجھ کو دے تو دوں تشبیہہ
حق نے تجھ کو مگر خرام دیا

●

رہرو راہِ محبت تھا رسا
خاک کوئے یار بن کر رہ گیا

●

زلف و عارض کے سب کرشمے ہیں
ورنہ یہ شام کیا سحر کیا ہے

●

خضر مجھ سے ملیں تو میں پوچھوں
مدّعا عمر جاودانی کا
دردِ الفت کو کیا سمجھتے ہو
آسرا ہے یہ زندگانی کا

کسی کا نام کیوں ہو جائے بدنام
چلو ہم کو قضا نے مار ڈالا

•

ستم جس کا شیوہ جفا جس کا پیشہ
اسی سے رسا میں وفا چاہتا ہوں

•

اس کی تلخی ہو ناگوارہ نہ کیوں
زندگانی کوئی شراب نہیں

ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور

سہارا

بس ترے نام کا سہارا ہے
یہ بڑے کام کا سہارا ہے

جو سہارا ہے ماسوا الٰہی
وہ فقط نام کا سہارا ہے

بے یقینی ہے سستیٔ ایماں
ضعف اوہام کا سہارا ہے

تیری فرقت میں تجھ سے ملنے تک
تیرے پیغام کا سہارا ہے

میکشوں کو مُلک کی گردش میں
گردشِ جام کا سہارا ہے

زُلفِ مشکین سے رُخ کی زینت ہے
کُفر اسلام کا سہارا ہے

قیدِ گیسُو میں دل رہا خرومند
صید کو دام کا سہارا ہے

ہوں خطا کار میں رہا لیکن
بخششِ عام کا سہارا ہے

○

صحرائی پھول بیچنے والی لڑکی کا گیت

لے لو یہ صحرائی پھول
لے لو یہ صحرائی پھول

توڑ کے اِن کو لائی بن سے — دُور ہیں یہ مہجور وطن سے
ان پہ پڑی غربت کی دُھول
لے لو یہ صحرائی پھول

صحرا ہے خندوں کی دُنیا — شہر مگر دھندوں کی دُنیا
دھندوں میں پڑنا ہے بھول
لے لو یہ صحرائی پھول

خوشبو اِن کی بھینی بھینی لُطفِ نظر اِن کی رنگینی
حُسن کی یہ ڈالی ہو قبول
لے لو یہ صحرائی پھُول

لوٹ کے جس کی شرن میں جائیں من اُس کا خوشبو سے بسائیں
پھُولوں کا یہ ہے معمول
لے لو یہ صحرائی پھُول

کانٹوں سے پھُولوں کی یاری نیچ سے اُونچے کو بیزاری
میت یہ کیسی ریت فضول!
لے لو یہ صحرائی پھُول

○

غزل

بھر کے ساقی نے مجھکو جام دیا
میری سرمستیوں کے نام دیا

خود گرہ میں گرہ کشائی ہے
کھل کے غنچے نے یہ پیام دیا

پست سے ہے بلند کا رتبہ
فرش نے عرش کو مقام دیا

سرو سے تجھکو دے تو دوں تشبیہہ
حق نے تجھکو مگر خرام دیا

جو بھی آواز تھی حق و ناحق
ساتھ تو نے صدائے عام دیا

اے رسا اپنی اپنی قسمت ہے
قیس کو کاسہ جم کو جام دیا

○

غزل

عشق اک آزار بن کر رہ گیا
نور یکسر نار بن کر رہ گیا

بے زبانی کی زبان پر حالِ دل
بے اثر گفتار بن کر رہ گیا

اشک باری آنکھ کی تھمتی نہیں
ابرِ باراں یار بن کر رہ گیا

ہائے اُس قطرے کی ناکامی نہ پوچھ
جو دُرِ شہوار بن کر رہ گیا

خود مُصوّر دیکھ کر تیرا جمال
نقش بر دیوار بن کر رہ گیا

رہ روِ راہِ محبت تھا رسا
خاکِ کوئے یار بن کر رہ گیا

○

بچپن کی یاد

لڑکپن گیا ہیں جوانی کے دن
کہاں اب فراغت کے وہ سال و سِن
وہ بچپن کی معصوم تھی زندگی
کہ ہر وقت رہتی تھی خورسندگی
نہ تھا مجھکو پینے کا کھانے کا غم
مگر اب تو ہے اِک زمانے کا غم
ستاتی نہ تھی کوئی دُنیا کی بات
تھی مکتب سے گھر تک مری کائنات
خوشی ہی خوشی مجھکو ہر طور تھی
وہ بچپن کی دُنیا ہی کچھ اور تھی

کسی کا نہ کوئی مجھے کینہ تھا
مرا سینہ مانندِ آئینہ تھا

وہ ہمدرس لڑکوں سے الفت تھی کیا
وہ خالص ہماری محبت تھی کیا

جماعت میں سب یکدل و جان تھے ہم
وہ ہندو تھے گو اور مسلمان تھے ہم

نہ تھا ہمکو آپس میں مذہب کا بیر
اکٹھے تھا پڑھنا اکٹھے تھی سیر

مگر عمر میں جونہی ہم بڑھ گئے
نہ معلوم کیوں تفرقے پڑ گئے

سنہری وہ راتیں سنہرے وہ دن
رسا کیا عجب تھا وہ بچپن کا سن

غزل

جگر میں سوز سا ہے اور میں ہوں
محبت کا مزا ہے اور میں ہوں

اُدھر اُن کی جفا ہے اور وہ ہیں
اِدھر میری وفا ہے اور میں ہوں

اُدھر گوشِ تغافل آشنا سے
اِدھر میرا گِلہ ہے اور میں ہوں

اُدھر اُن کی زباں ہے حرفِ دشنام
اِدھر میری دُعا ہے اور میں ہوں

اُدھر سے ہے جوابِ صاف اُن کا
اِدھر سے اِلتجا ہے اور میں ہوں

مرے سجدے سے بھی آخر رنگ لائے
وہ کہتا ہے خدا ہے اور میں ہوں

نہ ہے وہ دن کہ اُن سے ہمدمی تھی
وہ کہتے تھے رتّا ہے اور میں ہوں

○

کیا کروں؟

بے وفا کے عہد کا اعتبار کیا کروں
اعتماد ہی نہیں اِنتظار کیا کروں

کیا کروں چلا نہ کچھ اختیار آہ پر
رازِ عشق ہو گیا آشکار کیا کر

دوست کہہ رہے ہیں سب صبر کر قرار کر
وہ اگر نہ چین دے میں قرار کیا ک

ایک بار آ گئے تو جان و دل فِدا کیا
پھر اگر وہ آ گئے میں نثار کیا کر

ہیں تغافل آشنا یہ تو جانتا ہوں میں
عرضِ حال پھر رہا بار بار کیا کروں

غزل

ہم نے جانا تھا سنگِ در کیا ہے
تم نہ سمجھے جبین و سر کیا ہے

زلف و عارض کے سب کرشمے ہیں
ورنہ یہ شام کیا سحر کیا ہے

کون شے ہے گداز سے خالی
خود دلِ سنگ میں شرر کیا ہے

میرے زخمِ جگر سے پوچھ کبھی
بے ضرر سی تری نظر کیا ہے

نگہِ بے شعور کیا جانے
سنگریزہ ہے کیا گہر کیا ہے

جان کو آگ میں گھلا دینا
عشق کی شرحِ مختصر کیا ہے

اب نسب جانتا نہیں کوئی
پوچھتے ہیں سبھی ہنر کیا ہے

جب رہِ عشق میں قدم ہے رسا
پھر یہ اندیشۂ خطر کیا ہے

○

غزل

آگ پر جو اثر ہے پانی کا
وہی دُشمن پہ مہربانی کا

خضر مجھ سے ملیں تو میں پوچھوں
مُدعا عُمرِ جاودانی کا

ہائے رہ رہ کے مجھکو پیری میں
یاد آئیگا سِن جوانی کا

قصۂ زُلف پوچھ سوسن سے
یہی واقف ہے اِس کہانی کا

دردِ الفت کو کیا سمجھتے ہو
آسرا ہے یہ زندگانی کا
وہ کمر بستہ ہیں ستم پہ رسا
میں بھی عادی ہوں سخت جانی کا

○

درد دے کر بھی میرا درماں ہے تو
جاں ستاں ہو کر بھی جاناں ہے تو

دونوں عالم اپنی قیمت کہہ تو دی
میں سمجھتا ہوں ابھی ارزاں ہے تو

(ترجمہ)

○

ساون

ساون کی رُت ہے آئی کالی گھٹا ہے چھائی
ٹھنڈی ہوا
کیا دل فزا
ہے اے رسا
تسکین دِل نے پائی ساون کی رُت ہے آئی

کیا رنگ ہیں گُلوں کے   نغمے ہیں بلبلوں کے

قُمری کی کُو

حق سِرّہٗ

ہے تو ہی تُو

ہر سُو ہے خوش نوائی   ساون کی رُت ہے آئی

اشجار سب ہرے ہیں   میوے بھی رس بھرے ہیں

شاخیں بھری

سُرخ اور ہری

کدوسرئی[1]

ہیں خاتنی[2] کسائی[3]   ساون کی رُت ہے آئی

۱، ۲، ۳ : سیبوں کی قسمیں

وہ جیٹھ کی تمازت گرمی تھی یا قیامت

تھی کو بکو

آڑے کی بو

وہ گرم لو

برسات نے مٹائی ساون کی رُت ہے آئی

اے دل جلے پپیہے بے چین میرا جی ہے

کوکیں تری

ہوکیں تری

پھونکینگی جی

ہے آگ سی لگائی ساون کی رُت ہے آئی

دریا کا رنگ دیکھو لہروں میں جنگ دیکھو

چڑھتی ہیں کیا

لڑتی ہیں کیا

بڑھتی ہیں کیا

گہ صلح گہ لڑائی ساون کی رُت ہے آئی

اک مور ناچتا ہے کِس طور ناچتا ہے

پھیلے ہیں پر

جھُکتا ہے سر

پیشِ نظر

پاؤں کی بدنمائی ساون کی رُت ہے آئی

مدہوش و مست ہو کر ساغر بدست ہو کر
میخوار سب
باغوں میں اب
محوِ طرب
ہے خوب پی پلائی ساون کی رُت ہے آئی

مطلع بھی کھُل گیا ہے عالم بھی دھُل گیا ہے
ہے سربسر
خُلدِ نظر
نُورِ بصر
سبزے کی خوشنمائی ساون کی رُت ہے آئی

وعدہ کبھی وفا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے
وہ صدق آشنا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے
ناوک فگن کے سامنے سینہ رہا سپر
تیرِ نظر خطا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے
چھوڑا نہ عشق نے بھی کبھی زندگی کا ساتھ
غمِ عشق سے جُدا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے
وہ کونسا ستم ہے جو توڑا نہ دوست نے
ہم سے سلوک کیا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے
تھا قیدِ زلف میں ہی رہنا زندگی کا راز
دِل دام سے رہا نہ ہوا پھر بھی ہم جیئے

کِسان

چمن کی آبیاریاں نہ گر ترا لہو کرے
بہار بوستاں نہ ہو
گلوں کو اپنے خون سے جو تو نہ سرخرو کرے
ہزار نغمہ خواں نہ ہو
ادائے دِل نشین نہ ہو نوائے دِلستاں نہ ہو
جو تو رواں دواں نہ ہو
حسین خود نما نہ ہوں، نہ عشق آرزو کرے
جو تو عرق فشاں نہ ہو

○

عشق ہرگز حُسن کی بیداد کے قابل نہ تھا

تیشۂ شیریں سرِ فرہاد کے قابل نہ تھا

رُخصتِ نالہ مگر کس وقت دی صیّاد نے

بُلبلِ ناشاد جب فریاد کے قابل نہ تھا

کیا کروں اُن سے رسا میں بھول جانیکا گِلہ

در حقیقت میں ہی اُن کی یاد کے قابل نہ تھا

غزل

تری گردِ رہ خاکِ پا چاہتا ہوں

میں اس دردِ دل کی دوا چاہتا ہوں

تجھے ہر گھڑی دیکھنا چاہتا ہوں

یہی رات دن مشغلہ چاہتا ہوں

مجھے تیری تصویر کی جُستجو ہے

کوئی جینے کا آسرا چاہتا ہوں

بھٹکنے ہی دو راہِ الفت میں مُجھکو

نہ رہبر نہ میں رہنما چاہتا ہوں

ستم جسکا شیوہ، جفا جسکا پیشہ

اُسی سے رسا میں وفا چاہتا ہوں

غزل

دلِ دردآشنا نے مار ڈالا

مریضِ لادوا نے مار ڈالا

محبت کی ابھی تو ابتدا تھی

غمِ لاانتہا نے مار ڈالا

نہیں کچھ شکوۂ بیدادِ دشمن

مجھے اُس آشنا نے مار ڈالا

کسی کا نام کیوں ہو جائے بدنام

چلو ہمکو قضا نے مار ڈالا

کیا تیغِ ورع سے نفس کا خون

بڑا دشمن رسا نے مار ڈالا

غزل

تیرے رُخ کا کہیں جواب نہیں
ہے مگر کچھ بھی آفتاب نہیں

حُسن عریاں نظر کو تاب نہیں
بے حجابی ہی کیا حجاب نہیں

اس کی تلخی ہو ناگوار نہ کیوں
زندگانی کوئی شراب نہیں

خواب میں تم تو آؤ گے لیکن
چشمِ عاشق رہین خواب نہیں

تجھ سے مِلنے کی جو دُعائیں کیں
ایک بھی اُن میں مُستجاب نہیں
عاشقی کی وہ ہے کتاب رسا
عقل و دانش کا جس میں باب نہیں

○

لبِ دلدار پر تبسّم ہے
میرے جذبات میں تلاطم ہے
آپ نے بھیج دی مجھے تصویر
بندۂ دِلدادۂ تکلّم ہے

○

میرا رونا بھی وجہِ چین خندہ ہے
سو مرے واسطے زہر بھی قند ہے
نہ بدی کا گلہ ہے نہ سب صلہ ہے
میں ہوں بندہ وہ میرا خداوند ہے
(ترجمہ)

نسلِ آدم سے ہے جہاں معمور
آدمی اس جہاں میں تھوڑے ہیں
آدمیت کے روپ میں اکثر
ریچھ، بندر، گدھے ہیں گھوڑے ہیں

○

غزل

دوش پہ زلف کو تو آج پریشاں کر دے
میری مشکل کی گرہ کھول کے آساں کر دے

جوشِ وحشت تو دکھا آج کرشمہ کوئی
میری زنجیر کے حلقوں کو بیاباں کر دے

ڈال کر خاک کے ذرّوں پہ ذرا عکسِ جمال
تابشِ حُسن سے تو مہرِ درخشاں کر دے

ہے اگر تجھ میں کرامات تو اے شیخِ حرم
ہم سے بُت خانہ نشینوں کو مسلماں کر دے

کیوں نہ آئینہ مقدّر پہ رسا ناز کرے
عکسِ رُخ سے جو وہ خورشید بداماں کر دے

گیت

یادِ پیا کی میرے من میں   برہا کی اگنی میرے تن میں
من میں ہے جا بیٹھوں بن میں
چھوڑ نگریا

باغ میں کیسی دُوب ہری ہے   ڈالی ڈالی پھول بھری ہے
پیا بن چین نہیں گلشن میں
چھوڑ نگریا

کوئی پنچھی اُڑ کر جائے   بپتا مری بالم کو سنائے
شاید کہ پیا آئے بن میں
چھوڑ نگریا

دِل پر غم کے بادل چھائے   نینوں نے آنسو برسائے

جیسے ورشا ہو ساون میں

چھوڑ نگریا

سُگم شتاب میں اِک دن آئے   بات سُنے بن سِنگر سُدھائے

من کی باتیں رہ گئیں من میں

چھوڑ نگریا

پربت پر کیا دھوپ سہانی   دُھوپ اور چھایا آنی جانی

من مُورکھ کا مایا دھن میں

چھوڑ نگریا

گیت رسا کا جی ترپائے   میٹھی بانی من بر ملئے

سُندرتا ہے اِس کے فن میں

چھوڑ نگریا

غزل

جو تیغِ ناز کا اِک وار ہوتا
میری گردن پہ سر کیوں بار ہوتا

سرِ منبر نہ کچھ اظہار ہوتا
جو واعظ محرمِ اسرار ہوتا

لگاتے خواب میں آکر وہ ٹھوکر
یہ میرا بخت بھی بیدار ہوتا

سما جاتا میں گُل ہائے چمن میں
تمہارے ہی گلے کا ہار ہوتا

حنا بستہ کہیں ملتے وہ مجبور
نہ بے قیمت ستا مختار ہوتا

غزل

نہ دیکھ تیز نگاہوں سے یوں عتاب نہ کر
مرا شباب ہے ظالم مجھے خراب نہ کر

چھپا نہ دیدۂ عاشق سے حسنِ عریاں کو
جہانِ عشق میں پیدا تو اضطراب نہ کر

جلا کے حسن کے شعلوں سے کر دے خاک مجھے
مگر تو آتشِ فرقت سے دِل کباب نہ کر

نشانِ نورِ جبینِ حبیب ہے اِس میں
خدارا چاند پہ پردہ تو اے سحاب نہ کر

اشکوں کے ساتھ دِل کی تمنّا نہ جائیگی
قطروں کے ساتھ جوششِ دریا نہ جائیگی

وحشت رہے گی علتِ سودا نہ جائیگی
دل سے ہمارے الفتِ صحرا نہ جائیگی

مجنوں کے جذب عشق کی تاثیر مِٹ گئی
اب سوئے نجد ناقۂ لیلےٰ نہ جائیگی

مُنعِم کبھی نہ جاہ و حشم پہ تو ناز کر
ہر قدمیں ساتھ دولتِ دنیا نہ جائیگی

نِکلے گی جان کے ساتھ ہمارا دل کی آرزو
تنہا اگرچہ آئی تھی تنہا نہ جائیگی

کیا جانے

جو عشق قرینِ ہوش رہا وہ حسن کی دُنیا کیا جانے
جو قیس کبھی مجنوں نہ بنا وہ الفتِ لیلےٰ کیا جانے
جو عقل کے پھندوں میں اُلجھا وہ عشق کی دُنیا کیا جانے
اِک عالمِ اسفل کا باشندہ عالمِ اعلےٰ کیا جانے
جو تنگ نظر کم ظرفی سے قطرے کو سمندر کہتا ہو
قُلزُم کی حقیقت کیا سمجھے وہ وسعتِ دریا کیا جانے

لو شمع کے جلوے کی قیمت پروانہ جاں تک دیتا ہے
بازارِ محبت کا سودا اگر مہنگا سستا کیا جانے

حاجی یہ رٹا کہتے ہیں امسال رسا کعبے کو چلو
وہ بُت کا پجاری بے چارہ کعبے کی دُنیا کیا جانے

صُبحِ زندگی

ایک بچّے نے خواب کیا دیکھا
کہ وُہ بچّے سے ہو گیا بوڑھا

زندگانی کے سب مراحل سے
ایک حصّے میں رات کے گزرا

اب وہ رو رو کے یاد کرتا ہے
سِن لڑکپن کا دن جوانی کے

ہائے خواب و خیال تھے گویا
دور دونوں یہ زندگانی کے

بحرِ دُنیا کا طے ہوا تھا سفر
ناؤ پہنچی تھی اب کنارے پر
اب پلک کا وُہ ایک آنسو تھا
جو ٹپکتا ہے اِک اشارے پر
اِک نحیف و نزار سا پیکر
کانپتا تھا جو ضُعف سے تھر تھر
جس طرح رات بیت جانے پر
ٹمٹماتا ہو اِک چراغِ سحر
ایک پتّا تھا خُشک آمادہ
ہو خزاں جس کی پائمالی پر
ایک جھونکا ہوا کا چلنے سے
کوئی دیکھے نہ جس کو ڈالی پر

زندگانی کے جرم کا مجرم
خوف سے جو کہ تھرتھرایا ہو
موت پاداشِ زندگانی ہے
فیصلہ جس کو یہ سُنایا ہو
ڈالتا ہے وہ دورِ ماضی پر
اب تاسُّف سے اپنی ایک نظر
عمرِ رفتہ تو پیش کرتی ہے
سامنے اِک سیاہ سا منظر
نہ کوئی کام اُس کا ایسا ہے
جس سے دُنیا میں نام رہ جائے
اور اُس کام کی بدولت وہ
زندگانی دوام کی پا جائے

نہ عمل اس طرح کا ہے کوئی
جس سے عقبےٰ میں سُرخروئی ہو
وقت پر وہ اُٹھائے گا خِرمن
وقت پر جس نے فصل بوئی ہو

اب وہ افسوس سے یہ کہتا ہے
عمر گذری ہے کیسی بے حاصل

کاش اب پھر وہ دورِ ماضی کا
بن کے آجائے میرا مُستقبل

کاش پھر میں جوان ہو جاتا
دن لڑکپن کے لوٹ کر آتے
پھر تو ایسے میں کام کر جاتا
جن سے دونوں جہاں سنور جاتے

لو وہ اتنے میں خواب سے چونکا
اب اُسے کتنی شادمانی ہے
شام پیری جسے سمجھتا تھا
وہ ابھی صبح زندگانی ہے

۵

رند جس سے نہ میکدہ چھوٹے
قابلِ احترام ہے ساقی
شیخ تائب کو پھر تو جام نہ دے
یہ بھی توہینِ جام ہے ساقی

غزل

نہ گھبراؤ کبھی جو کام میں تاخیر ہو جائے
اگر مُہلت مِلے تو قطرۂ خوں شیر ہو جائے

غم و شادی کی گھڑیاں جب کہ آنے جانیوالی ہیں
تو پھر کیوں آدمی سر مست یا دلگیر ہو جائے

زبس حیرانگی سے وہ تِری تصویر کیا کھینچے
مصوّر دیکھ کر صورت تِری تصویر ہو جائے

محبت کی اسیری پر ہوں لاکھ آزادیاں قربان
جہاں یہ زُلف سی محبوب شئے زنجیر ہو جائے

یہ دُنیائے عمل کے اے رسا کیسے کرشمے ہیں
بنے جو ہاتھ سے اپنے وُہی تقدیر ہو جائے

غزل

سکونِ اضطراب آئے نہ آئے
الٹ کر وہ نقاب آئے نہ آئے

مری راتیں ترے جلووں سے روشن
اُفق پر ماہتاب آئے نہ آئے

ستارو رات بیتی جا رہی ہے
وہ میرا مستِ خواب آئے نہ آئے

ترے قربان میں اے چشم ساقی
ادھر جامِ شراب آئے نہ آئے

لکھے جاؤں گا اُن کو نامۂ شوق
کبھی خط کا جواب آئے نہ آئے

کلام اپنا پیامِ آشتی سے
جہاں میں انقلاب آئے نہ آئے

شمار اُن کی جفاؤں کا کریں کیا
رسا یومِ حساب آئے نہ آئے

○

غزل

ہم تڑپتے تھے حسن نظر کے لئے
تھی وہ نشتر دل و جگر کے لئے

اُس مگس کیطرح حریص نہ بن — قند پر جو مرے شکر کیلئے
پوچھ تاروں سے ہجر کی شب ہم — کیسے تڑپا کئے سحر کیلئے
ایک ذرّے کی کائنات ہے کیا — طورِ سینا ہے دیدہ ور کیلئے
کیوں جگر تھام کے وہ بیٹھ گئے — کون رویا یہاں اثر کیلئے
کیا ضرورت قفس کی ہے صیّاد — عندلیبِ شکستہ پر کیلئے

نسلِ آدم کو کیا ہوا اے ربّا
ہے درندہ بشر بشر کیلئے

برف باری

دو دن سے جاری ہے برف باری
یہ شان باری
یہ کردگاری!
وادی ہماری
چاندی کی ساری
گن سر کے بن میں

میرے وطن میں ہے برف باری
دو دن سے جاری

کوہ و بیابان ہموار میدان
صحنِ گُلستان
بن اور پرستان
مستور یکسر
معمور یکسر
اِک نور یکسر
کافور یکسر
کوہ و بیابان ہموار میدان
شمس و قمر گُم شام و سحر گُم
سب خشک و تر گُم
دیوار و در گُم
ہر اک بشر گُم
سردی کے ڈر سے
نِکلے نہ گھر سے
دن رات بر سے
شام و سحر گُم شمس و قمر گُم

مُنعم کے گھر پر ہے دورِ ساغر
لقمہ بھی ہے تر
سب کچھ میسّر
ہے عیش کوشی
اَور بادہ نوشی
اِک گرم جوشی
مُنعم کے گھر پر ہے دورِ ساغر

مزدُور بے کس ہے سخت بے بس
ہوتی نہیں بس
بس ہو تو جائے
جا کر کمائے
کھائے کھِلائے
مزدُور بے کس ہے سخت بے بس

اِک خستہ تن ہے ننگا بدن ہے
رنج و حزن ہے

حسرت پرستی
آتش پرستی
ہے فاقہ مستی
اِک خستہ تن ہے ننگا بدن ہے

کمسن یہ لڑکے اُٹھتے ہیں تڑکے
لڑکے جھگڑکے
ہر ایک بولے
پھینکو رے گوّیے
پھینکو رے گوّیے
کمسن یہ لڑکے اُٹھتے ہیں تڑکے

جادو بیانی شیریں زبانی

میری روانی

رُکتی نہیں ہے

تھمتے ہیں دریا جمتا ہے پانی

میری روانی

رُکتی نہیں ہے

○

عاشقی ہے درحقیقت دِل کی بیداری کا نام
بے خودی نادان رکھدیتے ہیں ہشیاری کا نام

دل اگر فارغ ہو انسان قید میں آزاد ہے
بس اسیری ہے فقط دِل کی گرفتاری کا نام

خواب میں پرتو فگن کل وہ سراپا ناز تھا
خواب سے شرما رہا تھا بخت بیداری کا نام

پست ہمّت کے لئے آسان بھی دشوار ہے
اہل ہمّت منہ پہ کب لاتے ہیں دشواری کا نام

کچھ نشانِ اہل وفا کلک اے رسا ملتا نہیں
رہ گیا ہے دہر میں خالی وفاداری کا نام

ناخدائے کشتیِ دِل عشق ہے

بحرِ غم کا کوئی بھی ساحل نہیں

جا کے کیوں بیٹھوں میں دشتِ نجد میں

قیس کی منزل مری منزل نہیں

عشق کی دیوانگی فرزانگی !

عشق میں عاقل جو ہے عاقل نہیں

کیوں بلائیں اب وہ اپنی بزم میں

اب رہا بھی درخورِ محفل نہیں

خزاں

ہوا کا دل بھی سرد ہے فضا کا رنگ زرد ہے
نہ لطفِ سبزہ زار ہے
نہ پھول پر نکھار ہے
نہ عندلیب زار ہے
نہ برگ ہے نہ بار ہے
غبار اور گرد ہے فضا کا رنگ زرد ہے

بہار کی فضا نہیں سماں وہ جانفزا نہیں
لطیف وہ ہوا نہیں
نسیم اور صبا نہیں
وہ روح کی غذا نہیں
صدا نہیں نوا نہیں
وہ ابر وہ گھٹا نہیں بہار کی فضا نہیں

چمن میں رنگ یاس ہے فقط یہ زرد گھاس ہے
گئی وہ رونقِ چمن
نہ لالہ ہے نہ نسترن
نہ موتیا نہ یاسمن
نہ بلبلیں ہیں نغمہ زن
نہ بو ہے اور نہ باس ہے چمن میں رنگِ یاس ہے

نہ کیف ہے شراب میں نہ جوش ہے شباب میں
نہ عشق اضطراب میں
نہ حُسن پیچ و تاب میں
نہ رنگ و بُو گلاب میں
نہ آب ہے سحاب میں نہ کیف ہے شراب میں

وہ ایک پیرِ مرد ہے کہ رُخ کا رنگ زرد ہے
رگوں میں اب لہُو نہیں
نشاطِ آرزو نہیں
کسی کی جستجو نہیں
ہنسی کی گفتگو نہیں
لبوں پہ آہ سرد ہے وہ ایک پیرِ مرد ہے

جُھکا ہے زانوؤں میں سر   کہ دل ہے حسرتوں کا گھر

یہ ایک دن جوان تھا

جوانِ کامران تھا

اِسے بھی اطمینان تھا

نہ اِسکو یہ گمان تھا

شباب جائے گا گذر   جُھکا ہے زانوؤں میں سر

وہ ماہ و سال ہوگئے   وہ دِن خیال ہوگئے

نہ اب ہے دل میں حوصلہ

نہ جوش ہے نہ ولولہ

نہ دردِ ہجر کا مزا

نہ لُطف کچھ وصال کا

سفید بال ہوگئے   وُہ دِن خیال ہوگئے

بہار پھر بھی آئے گی چمن کو پھر لبھائے گی
گلوں پہ رنگ لائیگی
مگر بہارِ زندگی
جو ایک بار جا چکی
نہ پھر کبھی یہ آئیگی
نہ لُطف پھر دکھائے گی بہار پھر بھی آئے گی

اِسی لئے اُداس ہوں مرقعٔ قیاس ہوں
شباب جاوداں نہیں
سدا کوئی جواں نہیں
دوام کا نشاں نہیں
بہار بے خزاں نہیں
اسی لئے اُداس ہوں اُداس ہوں اُداس ہوں

تدبیر میں کوئی خامی ہے اچھا جو مقدر ہو نہ سکا
کوشش سے میسّر ہوتا تھا جو تجھکو میسّر ہو نہ سکا

یاں سعی سے سب کچھ حاصل ہے معلوم یہاں ہر کامل ہے
قطرۂ ہوا پیوندِ زمین یہ کر جو سمندر ہو نہ سکا

جو کانٹا ہوتا تن میں کوئی، شاید کہ نکلتا سوزن سے
ہے من میں مگر یہ تیرِ نظر جو من سے باہر ہو نہ سکا

قارون نے سمیٹا مال و زر معدوم تھی وسعتِ قلب مگر
دولت کا دھنی تو تھا لیکن وہ دل کا تونگر ہو نہ سکا

کہنے کو رستا سب کہتے ہیں اُن تک تو رسائی ہو نہ سکی
کیا نام سکندر رکھنے سے جب بخت سکندر ہو نہ سکا

غزل

وعدہ تو کیا لیکن، بھولے وہ وفا کرنا
وہ وعدہ شکن نکلے اس بات کا کیا کرنا

تقدیر جو بگڑی ہو تدبیر سنوارے کا
کب ہاتھ کسی کے ہے کھوٹے کو کھرا کرنا

گیسو کی اسیری سے مانوس ہے دل اتنا
اب شاق گذرتا ہے قیدی کو رہا کرنا

زندہ ہوں رسا میں تو اس دردِ محبت سے
تقدیر ہیں دشمن کی ہو اس کی دوا کرنا

غزل

حُسن جب بے نقاب ہوتا ہے
عشق کو اضطراب ہوتا ہے

سَمِ قاتل سے تلخ تر ظالم
تیرا رُوکھا جواب ہوتا ہے

بس رے ظالم بناؤ کی حد ہے
ایک عالم خراب ہوتا ہے

سعئ پیہم سے اپنے قبضہ میں
آدمی کامیاب ہوتا ہے

غزل

گمراہ رہے جب تک میری ہی دانائی
منزل کو لیا ہم نے جب بن گئے سودائی

دنیائے تصوّر بھی ہمراہ چلی آئی
نکلے تھے بیاباں کو ہم ڈھونڈنے تنہائی

جس دن یہ کہا میں نے میں ہوں ترا شیدائی
اُس نے بھی اسی دن سے ملنے کی قسم کھائی

اے ناز و ادا والے یہ ناز ہے مجھکو بھی
تو میری تمنا ہے میں تیرا تمنائی!

بازار میں کہیں تجھکو اللہ نظر آیا
اے شیخ حرم ہم نے دیکھی تری بینائی

دیوانہ رسا ہے کیا جو مے سے کرے توبہ
جب چار طرف سے ہو رحمت کی گھٹا چھائی

○

طوفان

یہ کیا غضب خدایا۔ محشر یہ کیا دکھایا
طوفان یہ کیسا آیا
پانی کہاں سے چھوٹا۔ یہ کس کا بخت پھوٹا
یا آسمان ٹوٹا

توبہ غضب کا پانی۔ یہ زور کی روانی
طوفانِ نوح ثانی

اشجار بہ رہے ہیں۔ مینار بہ رہے ہیں
گھر بار بہ رہے ہیں

محشر کا دن بپا ہے - وادی میں زلزلہ ہے
تختہ ہی ہل رہا ہے
یہ دیوار بن گئے - پتھر ہزاروں من کے
تنکے ہیں یا کہ منکے

ہر رہگذر میں پانی - ہر ایک گھر میں پانی
سارے نگر میں پانی
کچھ لوگ رو رہے ہیں۔ کچھ جان کھو رہے ہیں
غرقاب ہو رہے ہیں

ہیں بدحواس سارے۔ ہیں محوِ یاس سارے
بے حد اُداس سارے
آفت میں پائے بستہ - مایوس دِل شکستہ!
کوئی نہیں ہے رستہ

جلنے کے سب کو لالے - ہر سمت آہ و نالے

آکر کوئی بچالے

فریاد کی صدائیں - بچوں کو لے کے مائیں

یارب کدھر کو جائیں

نکلے جو لوگ گھر سے - بھاگے پہاڑ پر سے

پھر وہ گھروں کو ترسے

رستے تو چل رہے تھے - دل اُن کے جل رہے تھے

اور خاک مل رہے تھے

مسدود تھیں جو راہیں - پہنچیں فلک پہ آہیں

وہ واپسیں نگاہیں

اونچے سے بستیوں پر - برباد بستیوں پر

ناشاد ہستیوں پر

بیٹا جُدا پدر سے - بھائی بہن کو ترسے
گھبرا کے اس خطر سے
رُوتی ہے ماں کہ دُختر - گریاں ہے زن کہ شوہر
برپا ہے شورِ محشر
اِک کم نصیب بڑھیا - اِک غم نصیب بڑھیا
بے بس غریب بڑھیا
باہر کا شور سُنکر - نِکلی جو گھر سے باہر
آغوش میں تھی دُختر
نِکلی تھی بھاگ جائے - غم سے نجات پائے
معصوم کو بچائے
لہروں نے آکے گھیرا - لوچھا گیا اندھیرا
یہ لو ہے کوچ ڈیرا

بے بس اسد بچارا۔ تھی موت آشکارا
دیکھا نہ کوئی چارہ
کھڑکی سے سر نکالا۔ موجوں نے گھر اچھالا
دریا کی تہ میں ڈالا
آفت کی انتہا بھی۔ بجرے کی ایک جا بھی
وہ خانہ خدا بھی
مسجد ہماری پرانی۔ اسلاف کی نشانی
وہ لے چلا ہے پانی
کیوں اسکا غم نہ کھائیں۔ آنسو نہ کیوں بہائیں
سر اب کہاں جھکائیں
کھویا وہ آستانہ۔ پڑھنے کو اب دوگانہ
کوئی نہیں ٹھکانہ

باغِ عدن ہمارا۔ پیارا وطن ہمارا

رشکِ چمن ہمارا

وہ شان کھو چکا ہے۔ ویران ہو چکا ہے

سنسان ہو چکا ہے

دریا کے وہ کنارے۔ پھولوں کے تھے وہ کیارے

کیا ہو گئے نظارے

دیکھیں کہاں جو چاہیں۔ ترسینگی اب نگاہیں

آتی ہیں لب پہ آہیں

فردوس سے بھی بڑھکر۔ اپنا وطن تھا خوشتر

بلٹی جو شکل یکسر

پھولوں کی جا ہیں پتھر۔ آبادیوں میں کھنڈر

اُف دل گداز منظر

وُہ باغ اب کہاں ہیں۔ آنکھوں سے کیوں نہاں ہیں

چشمے کہاں رواں ہیں

ہے ہے وہ سرو پانی ۔ وہ آبِ زندگانی

اب ہو گئے کہانی

وُہ عزّو شان والے ۔ وہ خاندان والے

نام و نشان والے

لو آج بے نشاں ہیں ۔ برباد آشیاں ہیں

غیروں کے مہمان ہیں

مخمل پہ سونے والے ۔ تھے جن کے ہاں دوشالے

ہیں خاک سر پہ ڈالے

کوئی نہیں بچھونا ۔ مٹی پہ اب ہے سونا ! !

اے آسماں رونا

اعمال کی سیاہی - یہ کر گئی تباہی

اب بخش دے الٰہی

تو بے سروں کا سر ہے۔ تو بے پروں کا پر ہے

تو بے گھروں کا گھر ہے

○

غزل

عشق کو ٹھوکر ہے ہر اک گام پر
کر نظر آغاز ہیں انجام پر

سروِ گلشن کیا ہو منظورِ نظر
سرو میں نے دیکھ پایا بام پر

آکے مِل کر روئیے اَے عندلیب
تو فدا گل پر ہے میں گلفام پر

کیا کرشمے ہیں نیازِ عشق کے
میں نے دی اُنکو دُعا دشنام پر

کوہکن سا چاہیے مزدورِ عشق
جانِ شیریں جو کہ دیدے کام پر

کارِ مکتب کر چکے ہیں وہ تمام
مولوی صاحب کو بھیجو لام پر

غزل

تو مجھ سے جھوٹا ہی کر تو وعدہ مجھے تیرا اعتبار ہوگا
کہ راست مانند جھوٹ تیرا بھی مجھکو وجہ قرار ہوگا

رقیب سے ہو جو تجھے کدورت مری طرف دل ہو صاف تیرا
وہ شیشہ صاف آئینہ ہے جو اک طرف پر غبار ہوگا

کسی کی شمشیر ناز کا حق ادا کیے بن نہیں بنے گی
اگر نہ تن سے جدا ہوا سر تو میری گردن پہ بار ہوگا

بچا کے رکھا تھا مرغ دل کو قفس میں سینے کے ہم نے اب تک
کسے خبر تھی کہ یہ بھی آخر تری نظر کا شکار ہوگا

نہ قدر پہچانی دوستوں نے رسا کی کچھ اسکی زندگی میں
بنائیں گے خاک کا وہ سرمہ مگر وہ خاک مزار ہوگا

غزل

رُخ ترا بے نقاب دیکھا ہے
مہر و مہ کا جواب دیکھا ہے

تیرے چہرے کے سامنے ہم نے
آئینہ آب آب دیکھا ہے

وہ جو سچ مچ بھی سامنے آئیں
ہم سمجھتے ہیں خواب دیکھا ہے

حُسن انساں کو حسن فطرت کا
ہم نے لُبِ لباب دیکھا ہے

ترکِ اُلفت میں زاہدوں نے رسا
جانے کیا کچھ ثواب دیکھا ہے

غزل

خاک اُڑ کر ہمارے مدفن سے
جا کے لگی ہے اُن کے دامن سے

سوزِ دل دردِ عشق جوشِ جنوں
مجھکو حاصل ہے سیرِ گلشن سے

عشق بےتاب حُسن بھی بےتاب
جھانکتے رہے ہیں وہ روزن سے

زُلفِ مشکیں کا ماجرا کوئی
جا کے سُن لے زبانِ سوسن سے

کتنا ایذا پسند ہوں میں رہا
چھیدتا ہوں جگر کو سوزن سے

غزل

عشق میں نالہ گر روا ہوتا
میں بھی بلبل کا ہمنوا ہوتا

نہ ستم کا ہمیں گلہ ہوتا
جو ستمگر نہ آشنا ہوتا

تم نہ آئے تو کچھ بھلا نہ ہوا
تم جو آتے تو کیا برا ہوتا

دل شکن جو نہ دلربا ہوتا
عشقبازی میں کیا مزا ہوتا

حسن کرتا بھی چارہ فرمائی
عشق کا کچھ تو مدعا ہوتا

فراقِ طفلی

خزاں میں روتی ہے جیسے بلبل
بہارِ گلشن کو یاد کر کے

اُسی طرح میں بھی رو رہا ہوں
رسالڑکپن کو یاد کر کے

وہ میرا بچپن کہ میری عمرِ رواں کا
تھا بہترین حصّہ

تمام ہوتے ہی جس کا آغاز
ہو گیا میرے غم کا قصّہ

وُہ میرا بچپن کہ جب برستی
تھی ہر طرف مجھ پہ شادمانی
غم و الم سے بچا کے دامن
بسر میں کرتا تھا زندگانی

وہ میرا بچپن بہت ہی محدود
جب تھی میری ہوس کی دُنیا
کہ میرے دل کے سکوں کا باعث
تھا ایک لٹّو کہ ایک گُڑیا

نہ فکرِ منصب نہ حُبّ ثروت
نہ کچھ مُجھے مال و زر کی پروا
جو ہاتھ آتا تھا سنگریزہ!
تو میں نہ کرتا گہر کی پروا

وہ میرے احباب ہم جماعت
کہ جن سے تھی بات بات اپنی
الگ تھلگ اِس جہانِ غم سے
بنائی تھی کائنات اپنی
جگر سے اُٹھتی ہے ہوک پیہم
جو مجھکو آتی ہے یاد دائم
اگرچہ وہ مجھکو بھول بیٹھے
مجھے رُلاتی ہے یاد اُن کی

وہ سرخوشی بے غمی کی دُنیا
وہ بے ہوشی بے خودی کا عالم
کہ لفظِ غم سے تھا پاک بالکل
یہ زندگی کے ورق کا کالم

یہی تھا چاند اور یہی تھا سورج
یہی ستارے تھے اُس جہاں کے
مگر طرب خیز تھی وہ دُنیا
عجیب نظارے تھے اُس جہاں کے
جوانی آئی کہ اُس سُنہرے
جہاں میں اِک اِنقلاب آیا
جو خاک اُڑاتا ہے عافیت کی
وہ آندھی بن کر شباب آیا
رسالڑکپن کو یاد کر کے
میں آج آنسو بہا رہا ہوں
جوانی مجھ کو جلا رہی ہے
میں آگ دِل کی بجھا رہا ہوں

اُردو

کیسی پیاری زبان ہے اُردو

ہے ادب جسم، جان ہے اُردو

لعل و گوہر کا یہ خزانہ ہے

یا جواہر کی کان ہے اُردو

نثر میں گلستان ہے یکسر

نظم میں بوستان ہے اُردو

ناز اس دیس کو اسی پر ہے

فخرِ ہندوستان ہے اُردو

اس کا سِکّہ دلوں پہ بیٹھا ہے

مُلک پر حکمران ہے اُردو

بیتے دن

آئی مجھے اُس دن کی یاد   آئی مجھے اُس دِن کی یاد

جب بے خرد معصوم تھا

دل کا یہ غم معدوم تھا

معلوم نا معلوم تھا

غم سے شناسائی نہ تھی   دل پر ہوس چھائی نہ تھی

بھڑکی نہ دل کی آگ تھی

یہ زندگی اِک راگ تھی

جس کی نوا تھی دِلربا!

جس کا ترنّم جانفزا

دل اپنا جب تھا شاد شاد   آئی مجھے اُس دن کی یاد

آئی مجھے اُس دن کی یاد   آئی مجھے اُس دن کی یاد

جب ہر طرح آزاد تھا

سنتوش سے دل شاد تھا

محدود تھی جب آرزو

وہ میری اِستغنا کی خُو

بے امتیازی کی نظر   پتھر کو کرتی تھی گہر

سمجھا نہ تھا سُود و زیاں

ہر رنگ میں تھا شادماں

مجھ پہ نہ تھا ہرگز عیاں

کیا ہے زیاں کیا ہے عناد

آئی مجھے اُس دن کی یاد

آئی مجھے اُس دن کی یاد　　آئی مجھے اُس دن کی یاد

وہ شادمانی کا سماں

لوٹیں گے اب وہ دِن کہاں

کِتنا حسین وہ دور تھا

کچھ وہ زمانہ اَور تھا

وہ چاند تارے اَور تھے　　سارے نظارے اَور تھے

کیا دن وہ بچپن کے بھلے

کیا کیا تھے اپنے مشغلے

تتلی کے پیچھے دوڑنا

ٹِڈوں کی ٹانگیں توڑنا

بے کین و بے بغض و عناد　　آئی مجھے اُس دن کی یاد

آئی مجھے اُس دن کی یاد آئی مجھے اُس دن کی یاد

جب پھر جوان میں ہوگیا

جب آرزو میں کھوگیا

جب عشق سے سرشار تھا

مستِ مئے پندار تھا

دل عشق سے تھا شعلہ خیز تھا حُسن اُس پر برق ریز

رنگینیٔ عہدِ شباب

دُنیائے دِل کا انقلاب

وہ اضطرار و اضطراب

وہ حُسن یکسُو کامیاب

اور عشق اُس سے بامُراد آئی مجھے اُس دن کی یاد

آئی مجھے اُس دن کی یاد آئی مجھے اُس دن کی یاد
جب زندگی تھی زندگی
وہ زندگانی کی بہار
دل میں اُمنگیں تھیں ہزار

ہاں وہ نشاطِ آرزو تھا دل اسیرِ رنگ و بُو
وہ شوق اور وہ اشتیاق
وہ دردِ الفت کا مذاق
جو اس قدر تھا خوشگوار

کہتا تھا دل یہ بار بار
اے دردِ الفت زندہ باد آئی مجھے اُس دن کی یاد

ہے اب یہ میری آرزو اے دورِ ماضی کاش تو

آ جائے بنکر تیتری

دکھلائے پھر جلوہ کبھی

پیچھے ترے ہیں دوڑ کر

کانٹوں ترے رنگین پر

اُڑنے نہ پھر پائے کہیں اُڑ کر نہ پھر جائے کہیں

ہے یہ بھی اک کارِ فضول

اس سے بھی ہوگا دِل ملُول

اُڑنے سے دل آرا ہے تو

اور بیت کر پیارا ہے تُو

ہے تجھ سے میری اِلتجا اِک بار آ کر بیت جا

۰

غزل

عشق میں لختِ جگر اشکِ رواں تک پہنچے
تیرے شکوے نہ مگر نوکِ زباں تک پہنچے

لو یہ کوتاہ نظر لوگ یہاں تک پہنچے
کعبہ پہنچے تو کہاں تیرے مکاں تک پہنچے

پلکیں ابرو سے لگیں ہو گئی دلدوز نظر
چل ہی پڑتا ہے اگر تیر کماں تک پہنچے

مار ڈالے گی تجھے تیری عنایت کی نظر
چاہے نوبت نہ کبھی شمشیر و سناں تک پہنچے

کھو گئے راہِ محبت میں رسا کچھ ایسے
خود بھی معلوم نہیں ہمکو کہاں تک پہنچے

غزل

پہلے دل میں محبت نہاں ہو گئی
اپنی آنکھوں سے آخر عیاں ہو گئی

اُن کے لطف و کرم کا بیاں آ گیا
مختصر عشق کی داستاں ہو گئی

اُن کے عارض کے اوصاف کھُلنے لگے
پتی پتی گلوں کی زباں ہو گئی

اُن کے چہرے پہ رنگِ شباب آ گیا
لو مری شاعری بھی جواں ہو گئی

حسن سرکش کے آگے برسم نیاز
قامتِ عشق جھک کر کماں ہو گئی

تجھ سا رشکِ قمر زینتِ ارض ہے
یہ زمیں رشکِ آسماں ہو گئی

کس کی آواز ناقوس کی ہے صدا
جو موذّن کے لب پہ اذاں ہو گئی

شاعری جس کو سمجھے تھے ہم دل کی بات
اب وہ بھی پیٹ کی داستاں ہو گئی

کیا نزاکت کی حد یہ نہیں اے رسا
دوش پر زلف انکو گراں ہو گئی

○

رہے عہد پہ تو قایم نہیں اعتبار تیرا
یہ نہ جانے پھر بھی کیوں ہے مجھے انتظار تیرا

ترے عشق کے کرم سے ملے جبکو ایسی دولت
کبھی شکوۂ سنجِ غم کیوں ہو وہ دلفگار تیرا

یہاں لالہ بوستاں میں وہاں چاند آسماں پہ
یہ بھی تیرا زخم خوردہ، وہ بھی داغدار تیرا

ترے اضطراب دل کا بجز اسکے کیا سبب ہے
کہ کہیں تڑپ رہا ہے کوئی بیقرار تیرا

جو ہو کچھ خطا رسا سے تو وہ عفو کے ہے قابل
کہ حریفِ بے بسی ہے یہاں اختیار تیرا

غزل

جلوہ مجھے دکھا دیا سامنے وہ نہ آ سکے
دل میں لگائی آگ جو اُس کو نہ پھر بُجھا سکے

سامنے جب وہ آ گئے ہم پہ سکوت چھا گیا
ہجر کی کچھ اذیتیں اُن کو نہ ہم سُنا سکے

اُن کی خطا تھی سر بسر رسم ہے عشق کی مگر
اپنی ہی جُھک گئی نظر آنکھیں نہ ہم مِلا سکے

ضبط کیا تھا اے رسا لب پہ فغاں تو آ گئی
لاکھ جتن کئے مگر عشق نہ ہم چُھپا سکے

غزل

اُن کے آنیکا جو ہو صبح تک امکان کوئی
اسی اُمید پہ کاٹے شبِ ہجراں کوئی

چمنِ دہر میں ہوں شبنم و گُل کی صورت
اشک افشاں ہے کوئی خرّم و خنداں کوئی

ایسی بستی ہو جہاں لوگ ہوں سارے انسان
کوئی ہندو ہو وہاں اور نہ مسلماں کوئی

مجھکو کس چیز سے زخمی وہ کئے جاتے ہیں
یوں بظاہر تو نہیں ہاتھ میں ساماں کوئی

ہے وہی لذّت آزار سے بیگانہ رہتا
دردِ اُلفت میں جو ہے طالب درماں کوئی

مذہب وحدت

مآلِ شمع کو دیکھوں تو احتراز کروں
نہ بات کٹنے کو کہوں میں زبان دراز کروں
سکوتِ مُہر بہ لب کا میں اک بناؤں ساز
خموشِ نغمے کی لے میں بیانِ راز کروں
کبھی نہ مسجد و مندر میں امتیاز کروں
بتوں کی کر کے پرستش ادا نماز کروں
طوافِ کعبہ کو جاؤں رہِ بنارس سے
خدا سے ملنے کی خاطر بتوں سے ساز کروں
میں ایک مذہب وحدت کی یوں بنا ڈالوں
کہ لوحِ دل سے نقشِ دوئی مٹا ڈالوں

انتظار یار ہے   انتظار یار ہے

سخت اضطرار ہے

رُوح بیقرار ہے

دل مرا فگار ہے

آنکھ اشکبار ہے

ہجر ناگوار ہے   انتظارِ یار ہے

اِنتظارِ یار ہے   وہ جفا شعار ہے

میں غریب کیا کروں

کم نصیب کیا کروں

غم نصیب کیا کروں

بے حبیب کیا کروں

یہ عذاب یار ہے   ہجر ناگوار ہے

میری بے قراریاں   میری آہ و زاریاں

کِس قدر ہیں بے اثر

بے اثر ہیں کِس قدر

پھٹ چلے دل و جگر

کچھ نہیں اُنہیں خبر

اُف یہ اشکباریاں   میری بے قراریاں

تھک گئی میری نظر راہ دیکھ کر

تاب اپنی کھو چکا!

صبر کو میں رو چکا

ہاتھ دِل سے دھو چکا

وہ وہیں کا ہو چکا

دیکھتا ہوں رہگذر تھک گئی میری نظر

کوئی جاؤ دوستو جا کے اُن سے پوچھ لو

دیر کا سبب ہے کیا

کوئی راز تو نہیں

وہ میرے خیال سے

بے نیاز تو نہیں

کچھ بھی سبب نہ ہو کوئی جاؤ دوستو

بیمارِ محبت کی دوا ہے کہ نہیں ہے
تقدیر میں اُس کی بھی شفا ہے کہ نہیں ہے

مجنوں جو گیا، دشت کے کانٹے یہ پکارے
صحرا میں کوئی آبلہ پا ہے کہ نہیں ہے

دیتی تھی دمِ عفو صدا شانِ کریمی
بچنا ہی خطاؤں سے خطا ہے کہ نہیں ہے

یہ چاند یہ سورج یہ فلک اور ستارے
پوچھے کوئی مُنکر سے خدا ہے کہ نہیں ہے

گلشن نے تجھے دیکھ کے جینے کی دعا دی
ہر شاخِ شجر دستِ دُعا ہے کہ نہیں ہے

اِس جور و ستم پر بھی رہتا تم پہ فدا ہے
اِنصاف سے کہدو کہ وفا ہے کہ نہیں ہے

غزل

زلف بکھرا کر وہ آئے سامنے
پھر طبیعت کی بحالی جائے گی

از سرِ نو میری مشتِ خاک سے
عشق کی بنیاد ڈالی جائے گی

دوستو اس کا بھی ہے کوئی علاج
کس طرح آشفتہ حالی جائے گی

ہوش کب آئیگا تجھکو اے رسا
بیخودی کب لاابالی جائے گی

غزل

اِدھر دل ناتواں اتنا اُدھر رخ بے نقاب ایسا
ہے کیا قطرۂ شبنم جو چمکے آفتاب ایسا

چُنا دِل کے لُبھانے کو جو حسن لاجواب اُنکا
نگاہو! داد کے قابل ہے حُسنِ اِنتخاب ایسا

یہ رسمِ عاشقی ہے ہیں جفاؤں پر دعائیں دوں
ہے آباد وہ ظالم کیا جس نے خراب ایسا

رسا اُس مصحفِ رُخ کا بہت مشتاق و مائل ہے
نہیں دیکھا ہے ہم نے عاشقِ اُمّ الکتاب ایسا

اس سبز نگاہی کے قربان نہ کیوں جاؤں
قطرہ مجھے وسعت میں دریا نظر آتا ہے
اک اور الگ مجھکو کعبے سے بنارس سے
اللہ سے مِلنے کا رستہ نظر آتا ہے
جب چشمِ محبت سے اِک ہم نے نظر ڈالی
سمجھے تھے بُرا جس کو اچھا نظر آتا ہے
ٹیڑھا تھا رہا جب تک محروم تھا اُلفت سے
سانچے سے محبت کے نکلا نظر آتا ہے

غزل

وہ رشکِ قمر آج سرِ شام نہ آیا
شب بھر کسی پہلو مجھے آرام نہ آیا
تڑپا جو کئے ہم تو بڑھا اُن کا تغافل
اے جذبِ دروں تو بھی کسی کام نہ آیا
ہم بن کے تماشا تو گئے اُس کی گلی میں
وہ بہرِ تماشا بھی لبِ بام نہ آیا
دل سوختہ عاشق پہ چلا تیرِ ملامت
کچھ حُسنِ جہاں سوز پہ الزام نہ آیا
اربابِ عبادت کو رقیبوں سے یہ گلہ ہے
مسجد میں کبھی عاشقِ اصنام نہ آیا

قطعہ

ظالم ترے ہاتھوں کی حنا دیکھ رہا ہوں
خونِ دل عشّاق لگا دیکھ رہا ہوں

اب پیروئی نقشِ قدم کیا کرے کوئی
افتادگی راہنما دیکھ رہا ہوں

○

دِل شکن بن نہ دلرُبا ہو کر
بے رُخی کر نہ آشنا ہو کر

سخت جانی ہیں سخت جانی ہے
ہم جیئے یار سے جُدا ہو کر

شب کو بوتل شراب کی پی کر
صُبح اُٹھتا ہوں پارسا ہو کر

O

غزل

گرداب میں چکر کھاتے ہیں موجوں کے تھپڑے سہتے ہیں
کیا کہئے اِس بھوساگر میں کس درگت سے ہم بہتے ہیں

آرام سے سونیوالو کہو، آرام کیسے تم کہتے ہو
اُس دُنیا میں آرام نہیں جس دُنیا میں ہم رہتے ہیں

ان آنسو برسانیوالی آنکھوں کی بلائیں لیتا ہوں
میں جب تک روتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ہنستے رہتے ہیں

جب سنگ ہے یکسر اُن کا دل کیا کہئے سُننے سے حاصل
ہم قلب و جگر کی رودادیں لاحاصل اُن سے کہتے ہیں

کیا تیری رحمت کی وسعت میں میرے معاصی کی وقعت
اک قلزم بے پایاں میں کچھ خاشاک کے تنکے بہتے ہیں

ہے مے سے ہمیں پرہیز روا، پرہیز کہاں تک کوئی کرے
ساون کی گھٹائیں چھاتی ہیں تو اکثر پیتے رہتے ہیں

○

غزل

شبِ ماہ کون بہ نازنین لبِ بام محوِ خرام ہے
کہ فلک پہ چھا رہا ہے چاندنی کفِ پا کا اِتنا مقام ہے

مری شاعری مری ساحری ہے خیالِ اُلفت سے بھری
نہیں یہ رجز کی فسوں گری مگر آشتی کا پیام ہے

جو اسیرِ دامِ ہوس رہا وہ پرندہ صیدِ قفس رہا
جو بھی آرزوؤں کے بس رہا، وہ ہو غزنوی تو غلام ہے

مجھے ایسے مذہب سے رستا نہ ہے واسطہ نہ ہے رابطہ
جہاں خون پینا حلال ہے جہاں سُرخ پانی حرام ہے

قطعہ

دل لیا جس نے وہ میرے دل میں ہے
مشکلِ آسانی مری مشکل میں ہے
جو مقامِ عشق طے ہیں نے کیا
قیسؔ اُس کی اوّلین منزل میں ہے

○

قطعہ

سخت دشوار گذر عشق کی راہیں نکلیں
دلِ صد چاک سے ہر گام پہ آہیں نکلیں
میں سمجھتا تھا کھٹکتے ہیں مرے دل میں تیر
خوب دیکھا تری پیوست نگاہیں نکلیں

غزل

میں وفاؤں پر بھی اتراتا نہیں
وہ جفاؤں پر بھی شرماتا نہیں

کھو گیا ہوں جستجوئے یار میں
اب میں اپنے آپ کو پاتا نہیں

حورِ جنّت کے لئے صوم و صلواۃ
بے حیا زاہد ہے شرماتا نہیں

○

غزل

تو طالب دنیا کہتا ہے ہو دل میں ترے کچھ غم بھی نہیں
پابندِ ہوس ہے غم بھی نہیں اور تیری تمنا کم بھی نہیں

ہے روح کی فرحت کی خواہش اور آنکھ تری پُر نم بھی نہیں
کیوں پھول ترا تازہ یہ رہے جب اس پہ کوئی شبنم بھی نہیں

ہر پھول میں اس کا جلوہ ہے تو ڈھونڈتا جسکو پھرتا ہے
وہ راز سراسر افشا ہے پھر راز سے تو محرم بھی نہیں

کہتے تھے رسا تم آتا ہے کچھ دل میں سکوں سا رونے سے
ہیں شام و سحر روتا ہوں مگر یہ دل کا تلاطم کم بھی نہیں

غزل

تھک کے راہِ شوق میں اب ڈھونڈنے والا رہا
یادگارِ دشت پلٹے دل میں اک چھالا رہا

عشق نے سونپا ہمیشہ کے لئے رونے کا کام
زندگی جب تک رہی فریاد اور نالہ رہا

یاد کے قابل ہے ظالم میری تکمیلِ وفا
مجھ سے تو غافل رہا میں تیرا متوالا رہا

اے رسا کوئی حریفِ عشق ہو سکتا نہیں
بے جگر ہو کر یہاں ہر اک جگر والا رہا

○

ہر پریشانی میں جمعیّت کی صورت ہے نہاں
دوش پر زلفیں بکھرتی ہیں سنورنے کیلئے

کام کچھ آتی نہیں راہِ محبت میں خرد
ہے جنوں درکارِ منزل سے گزرنے کے لئے